قاضی شُریح

از

جناب ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فارق
(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر دلی کالج)

(۲)

حضرت علیؓ کے عہد میں شریح سے متعلق دو واقعات ملتے ہیں جن سے شریح کی سیرت کی مضبوطی اور حضرت علیؓ کے تشدد پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے پہلا واقعہ جنگ صفین (۳۷ھ) سے پہلے اور جنگ جمل (۳۶ھ) کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت علیؓ کی زرہ بکتر کہیں گر گئی تھی ایک دن انھوں نے اس کو کسی یہودی کے پاس دیکھا اور پہچان کر بولے "یہ میری ہے فلاں فلاں دن کھو گئی تھی" یہودی نے دینے سے انکار کیا اور کہا "یہ میری ملکیت ہے، آیئے اس قضیئے کو مسلمانوں کے قاضی کے سامنے پیش کریں" دونوں شریح کی مجلس میں پہنچے۔ شریح امیرالمومنین کو دیکھ کر بطور احترام کھڑے ہوئے جب سب بیٹھ گئے تو حضرت علیؓ نے کہا "یہ زرہ بکتر جو اس یہودی کے پاس ہے میری ہے میں نے پہچان لی ہے" شریح نے مدعی کا دعوی سن کر مدعی علیہ کا بیان مانگا۔ یہودی نے کہا زرہ بکتر میری ہے میں اس کا مالک ہوں" شریح نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے کہا "امیرالمومنین آپ سچ فرماتے ہیں یہ زرہ بکتر آپ کی ہوگی لیکن ضروری ہے کہ آپ دو گواہ پیش کریں حضرت علیؓ نے اپنے غلام قنبر اور لڑکے حسنؓ کو پیش کیا جنہوں نے حضرت علیؓ کے حق میں شہادت دی شریح نے قنبر کی شہادت مان لی لیکن حسنؓ کی ماننے سے انکار کیا[ع]

ع ابن عساکر تاریخ دمشق (مصر) ۳/۳۰۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے لڑکے کی شہادت باپ کے حق میں نامقبول قرار دی تھی اور شریح کا فعل خود حضرت علیؓ کی رائے کے مطابق تھا۔

حضرت علیؓ بہت برہم ہوئے اور بولے "رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے امام ہیں اور تم ان میں سے ایک کی شہادت ماننے سے انکار کرتے ہو یہاں سے نکل جاؤ اور بانقیاء جا کر چالیس دن وہاں کے لوگوں کے درمیان انصاف کرو" تاہم شریح کا فیصلہ بحال رکھا گیا یہودی اس عمدہ فعل سے متاثر ہو کر بولا: امیر المومنین آپ میرے ساتھ اپنے قاضی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب انھوں نے آپ کے خلاف فیصلہ کیا تو آپ نے فیصلہ مان لیا: آپ نے سچ کہا یہ زرہ بکتر آپ کی ہے فلاں فلاں دن جب آپؐ خاکستری اونٹ پر سوار تھے یہ گر گئی تھی اور میں نے اٹھالی تھی، میں اسلام قبول کرتا ہوں: حضرت علیؓ نے زرہ بکتر کے علاوہ اس کو گھوڑا دیا اور ۹۰۰ درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر کے فوج میں بھرتی کر لیا[۱]۔

شریح چالیس دن تک بانقیاء میں جلا وطن رہ کر لوٹ آئے۔ رہا یہ کہ انھوں نے وہاں حضرت علیؓ کے حکم کے بموجب یہودیوں کے درمیان قاضی کے فرائض انجام دیئے یا نہیں تو قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کیا۔ اس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ "جب شریح جزیہ کے علاقہ میں جاتے تو فیصلے نہیں کرتے تھے"[۲]۔ بانقیاء کوفہ کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں کی اکثر آبادی یہودی تھی جس سے جزیہ لیا جاتا تھا۔

دوسرا واقعہ نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے: شریح نے اسّی دینار میں ایک مکان خریدا۔ اس کی خبر حضرت علیؓ کو ہوئی تو وہ ناراض ہوئے اور شریح کو بلا کر کہا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اسّی دینار (آجکل ایک دینار تیرہ روپئے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس وقت غالباً پانچ روپئے کے بقدر تھا) میں مکان خریدا ہے، اور اس کی خریداری کا سرخط لکھا ہے جس پر گواہوں کی شہادت ہے"۔ شریح نے کہا جی ہاں ایسا ہوا ہے" حضرت علی تیکھی نظروں سے دیکھ کر بولے: شریح کیا تمہارے پاس وہ شخص

---

[۱] اغانی ۱۶/۱۴۳ [۲] طبقات ۶/۹۳

آنے والا نہیں جو نہ تمہارے سروں کو دیکھے گا نہ تمہارے گواہوں کو پوچھے گا اور تم کو گھر سے نکال کر لے جائے گا اور قبر کے سپرد کر دے گا جہاں سے تم کبھی واپس نہ آسکو گے شریح غور کرو کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ مکان تم نے ایسے روپئے سے خریدا ہو جو تمہارا نہیں یا تم نے روپیہ ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہو ایسی صورت میں تو یقیناً دنیا اور آخرت دونوں میں تم نقصان اٹھاؤ گے۔ اگر تم مکان خریدتے وقت میرے پاس آتے تو میں تمہارے لئے ایک سرخط لکھتا جس کی عبارت یہ ہوتی، اس وقت تم اس گھر کو ایک درہم میں بھی خریدنے کا خیال دل میں نہ لاتے: "یہ وہ گھر ہے جو ایک عبد ذلیل نے ایسے شخص سے خریدا ہے جو موت کے خیال سے کانپتا ہے یہ گھر دار عزور کا ایک گھر ہے، فانیوں اور ہلاک ہونے والوں کے علاقہ میں آباد ہے اس گھر کی چار حدیں ہیں، پہلی حد دواعی آفات سے ملتی ہے، دوسری دواعی مصائب سے، تیسری مہلک ھویٰ اور چوتھی گمراہ کن شیطان سے اور اسی طرف اس کا دروازہ کھلتا ہے ایک فریب خوردۂ آرزو نے موت کے تصور سے کانپنے والے ایک شخص سے یہ گھر خریدا ہے، قناعت کی عزت سے نکل کر، خواہش و دنائت کی ذلت میں داخل ہو کر . . . [1]

قارئین کو شاید معلوم ہو گا کہ رضی (متوفی سنہ ۴۰۶ھ) کی نہج البلاغۃ کا شمار عربی کی موضوع کتابوں میں ہوتا ہے اگر سب نہیں تو اس کے بہت سے خطوط یقیناً موضوع محرّف اور بدلے ہوئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ بھی موضوع ہو لیکن اس کا احتمال ہے بہر حال اس قصے سے حضرت علیؓ کا غیر معتدل تشدد ظاہر ہوتا ہے اگر کوئی شخص حدِ اعتدال میں رہ کر رہائش کے لئے مکان بنوائے یا خریدے تو اس کو فریب خوردۂ دنیا یا آخرت سے بے پروا نہیں کہا جا سکتا نہ اس کا زہد مطعون ہو سکتا ہے کیونکہ زہد ترکِ دنیا نہیں بلکہ دنیا کو برتتے ہوئے اس سے ذہنی بے رغبتی اور اس سے لگاؤ کو خدا کی رضا جوئی کے تابع رکھنے

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱۴۰/۱۱

کا نام ہے۔ زہد کی اس تعریف ہی سے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اور لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا، کا مطلب واضح ہوتا ہے۔ اگر گھر کی ملکیت زہد کے منافی ہوتو نہ رسول اللہؐ مکان کے مالک ہوتے نہ صحابہ حالانکہ متعدد صحابہ تو غیر معتدل حد تک املاک اور نقد روپئے کے مالک تھے، ان میں حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت علیؓ کے خاندان کے نام بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں[1]۔ حضرت علیؓ کا یہ قول کہ شریح غور کرو کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ مکان تم نے اپنے روپئے سے خریدا ہو جو تمہارا نہیں یا تم نے روپیہ ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہو" شریح کی دیانت کو کسی قدر مشتبہ کرتا ہے۔ ابن سعد نے ابو لیلی کی سند سے لکھا ہے کہ شریح کی تنخواہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۵۰۰ درہم تھی[2] جو اس عہد کے شرح تبادلہ سے تقریبًا ۹۵ دینار کے مساوی ہوتی ہے، اتنی تنخواہ پانے والے کے لئے اسی دینار کا مکان خریدنا کوئی مشکل بات نہ تھی اس کے علاوہ شریح کی سیرت میں رچی ہوئی خدا ترسی کا جو ریکارڈ ہمارے سامنے ہے اس سے جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے ایسے شبہوں کا شائبہ تک نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت علیؓ کے بعد جب معاویہ کے عہد خلافت (۴۱ھ تا ۶۰ھ) میں زیاد بصرہ اور کوفہ کا گورنر تھا (۵۰ھ تا ۵۳ھ) شریح کی چند جھلکیاں پھر نظر آتی ہیں، یہ وہ زیاد ہے جس کو ایک عرصہ تک غلام ماں باپ کا لڑکا سمجھا جاتا تھا، اس کی ماں تو بالاتفاق غلام تھی لیکن باپ کے بارے میں دو رائیں تھیں ایک یہ کہ وہ عُبَیدْ نامی غلام تھا دوسرے یہ کہ وہ معاویہ کا والد ابو سفیان تھا، زیاد چودہ سال کی عمر سے بصرہ میں کلرک، سکریٹری اور منتظم مالیات کے فرائض انجام دیے کر ۳۸ھ میں حضرت علیؓ کی طرف سے باغی صوبہ فارس کا گورنر مقرر ہوا تھا ۴۴ھ میں معاویہ نے متعدد ثقہ شہادتوں کے پیش نظر ایک پبلک جلسہ میں اس کو اپنا بھائی تسلیم کیا اور اس کی غیر معمولی لیاقت انتظام و تدبر سیاست سے متاثر ہو کر ۴۵ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا

[1] ملاحظہ ہو مروج الذہب [2] طبقات ۶/۹۵

سنہ ۵۰ھ میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کی وفات پر اس کو کوفہ کی حکومت بھی سونپ دی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کئی بار زیاد کا امتحان لیا تھا اور اس کی قرآنی و فقہی لیاقت سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ بصرہ کے اعیان کو اس کے مشوروں اور فیصلوں پر عمل کرنے کی ہدایت کی تھی۔

سنہ ۵۰ھ میں جب اس کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری دی گئی تو وہ چھ ماہ بصرہ میں قیام کرتا اور چھ ماہ کوفہ میں۔ گورنر ہو کر جب وہ کوفہ آیا تو شریح کی ججی کا ہر طرف شہرہ تھا ایسا قابل اور راستباز جج پاکر وہ بہت خوش ہوا۔ بصرہ میں جہاں وہ ۴۵ھ سے گورنر تھا اس کو کامیاب جج نہیں ملے تھے اور اس وقت تک کئی جج بدلے جا چکے تھے۔ بصرہ کی آبادی کوفہ سے زیادہ تھی اور وہاں کے انصافی مسائل کے لئے ہمیشہ لایق جج کی ضرورت رہتی تھی لیکن کوفہ کو بھی شریح کے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا تاہم وہ اہل بصرہ کو ان کی سیرت اور راستباز عقل کے جوہر دکھانا ضروری سمجھتا تھا چنانچہ وہ ان کو ساتھ لے کر بصرہ آیا اور ان کی جگہ ابن مسعود کے حلقہ کے ایک فاضل کو جن کا نام مسروق بن اجدع تھا ان کا جانشین مقرر کیا۔

مصنف عِقد الفرید ۳/۲۴۷ (مصر ایڈیشن) لکھتا ہے کہ بصرہ آکر زیاد شریح کے ساتھ مجلسِ قضا میں بیٹھتا اور کہتا: اگر میں ایسا فیصلہ کردوں جو آپ کی رائے میں قرینِ انصاف نہ ہو تو مجھے مطلع کیجئے گا۔ لیکن شریح کو اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی ایک دن جماعت انصار کا ایک شخص آیا اور کہا: میں بصرہ اس وقت آیا تھا جب مکانات بنانے کے لئے حکومت کی طرف سے دی ہوئی زمینیں موجود تھیں چنانچہ ایک قطعہ زمین پر میں نے مکان بنانا چاہا میرے چچازاد بھائی پہلے سے مکان بناکر آباد ہو چکے تھے: انھوں نے کہا تم کہاں الگ رہوگے، ہمارے پاس ہی مکان بنالو، انھوں نے مجھے زمین دے دی اور میں نے مکان بنالیا اور شادی کرلی۔ پھر شیطان نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈالی اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ نکل جاؤ: یہ سن کر زیاد نے مدعی علیہم کو مخاطب کرتے ہوئے فیصلہ دیا۔ تم

کو نکالنے کا حق نہیں ہے جب خالی زمینیں موجود تھیں تم نے اس کو الگ مکان بنانے سے باز رکھا، تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ زمین تھی وہ تم نے دے دی، اب جب کہ زمینیں ختم ہو چکیں تم اس کو نکالتے ہو اور نقصان پہنچانا چاہتے ہو، وہ گھر نہیں چھوڑے گا: شریح نے اس فیصلہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا یا مستعیر القدر اُردد (ادھار ہانڈی مستعار لینے والے ہانڈی لوٹا دے) یعنی زمین کا معاملہ اس ہانڈی کا سا ہے جو مستعار لی گئی ہو اور جس کا لوٹانا واجب ہو، زیاد نے شریح کے اس قیاس کو غالباً قیاس مع الفارق سمجھ کر منظور نہیں کیا اور اپنا فیصلہ بحال رکھا۔ ان فیصلوں پر ابن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ) جو شریح کے ہم عصر اور بصرہ کے ممتاز مفتی تھے تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "فیصلہ وہی ہے جو شریح نے کیا لیکن زیاد کا قول مستحسن ہے۔

شریح زیادہ عرصہ اپنے مستقر سے الگ نہ رہ سکے، ایک سال بعد ہی ان کو لوٹنا پڑا ابن زیاد بحوالہ مصنف طبقات ۶/۹۵ کہتے ہیں: "زیاد شریح کو لے کر بصرہ سے آیا اور انھوں نے ایک سال تک ہمارے درمیان ایسا انصاف کیا جیسا ان سے پہلے یا بعد کسی نے نہیں کیا"۔ اصابہ میں ایک دوسری سند پر بالکل یہی روایت پیش کی گئی ہے اصابہ کی ایک دوسری روایت کے مطابق شریح سات سال تک بصرہ کے قاضی رہے، لیکن اس کی صحت پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچ سکی ہے۔

زیاد کا ۵۳ھ میں انتقال ہوا جب وہ اپنے گرمی کے مستقر کوفہ میں تھا۔ اس کی انگلی میں ایک زہریلی پھنسی نکل آئی تھی جس کو کاٹنے کا طبیبوں نے مشورہ دیا تھا۔ زیاد نے استصواب رائے کے لئے اپنے معزز اور مخلص قاضی شریح کو بلایا، انھوں نے جس دل میں کھٹکنے والے انداز سے مشورہ دیا وہ سننے کے لائق ہے: "مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا رزق انگلی میں ہو اور اس کا اثر دل تک پہنچے اور آپ کی موت کا وقت آگیا ہو اور آپ انگلی کٹے خدا کے حضور میں جائیں اور انگلی آپ نے خدا کی ملاقات سے بچنے کی خاطر کٹوائی ہو یا بصورت دیگر آپ کی موت کا

وقت نہ آیا ہو اور انگلی کٹوا چکے ہوں اور بقیہ عمر بغیر انگلی کے زندہ رہیں اور آپ کے بچوں کو اس کا طعنہ دیا جائے؟" اس صاف مشورہ سے زیاد کے دل کا تردد دور ہوا اور انگلی کٹوانے کا ارادہ اس نے ترک کر دیا۔ جب شریح محل سے باہر نکلے تو زیاد کے بعض بدخواہوں نے ان کا مشورہ معلوم کر کے ملامت کی اور کہا:" آپ نے انگلی کٹوانے کا مشورہ کیوں نہیں دیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر زیاد آپریشن کرا لیتا تو بچ جاتا اور طبعی موت مرتا اور پھنسی سے مرنے کی صورت میں اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوتا جو انھیں گوارا نہ تھا۔ شریح کی خدا ترسی بدخواہی کی متحمل کیسے ہوتی ان کا مختصر مگر جامع جواب تھا: المستشار مؤتمن، یعنی جس شخص پر بھروسہ کر کے مشورہ کیا جائے اس کو سزاوار نہیں کہ غلط مشورہ دے[1]۔

سنہ ۶۰ھ میں شریح کی ایک ہلکی سی جھلک پھر نظر آتی ہے۔ سنہ ۶۰ھ میں معاویہ کی موت اور یزید کی خلافت پر کوفہ میں بڑی شدت سے حضرت حسین کی خلافت کی تحریک اٹھی شیعوں کے وفد ان کے پاس مدینہ جانے لگے اور وفاداری وجاں نثاری کے عہد و پیمان سے مملو اننے خط شیعہ لیڈروں کے ان کے پاس آئے کہ دو تھیلے بھر گئے۔ حضرت حسینؓ اہل کوفہ کی اس بدعہدی کو نہیں بھولے تھے جس سے وہ ان کے والد اور بھائی کے ساتھ پیش آئے تھے اس لئے انھوں نے شیعوں کی وفاداری پرکھنا ضروری سمجھا اور اس مقصد کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ مسلم مختار ابن ابی عبید (متوفی سنہ ۶۷ھ) کے گھر ٹھہرے اور حضرت حسین کے لئے بیعت لینا شروع کی جلد ہی بارہ ہزار شیعوں نے بیعت کر لی۔ یزید کو اس انقلابی تحریک کا جب علم ہوا تو اس نے کوفہ کے موجودہ گورنر نعمان بن بشیر انصاری کو جو اٹھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے تھے ہٹا کر بصرہ کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کی امارت بھی سونپ دی، عبیداللہ مستعد حاکم تھا، وہ ڈاک کے گھوڑوں سے کوفہ آیا اور بغاوت کو دبانے میں لگ گیا۔

---

[1] طبری ۱۶۲/۲

عبیداللہ شیعی عرب سردار ہانی بن عروہ اور ایک دوسرے مقتدر لیڈر شریک بن اعور کی بڑی عزت کرتا تھا، شریک بصرہ سے اس کے ساتھ آیا تھا وہ بظاہر عبیداللہ کا بہی خواہ لیکن دل میں اس کا دشمن اور اہل بیت کا دوست تھا، کوفہ آکر وہ ھانی کے گھر فروکش ہوا جہاں مختار کا غیر محفوظ گھر چھوڑ کر مسلم پہلے ہی پناہ لے چکے تھے، یہاں وہ بیمار پڑا اور عبیداللہ نے اس کی عیادت کرنا چاہی۔ شریک نے یہ موقع غنیمت جانا اور مسلم کو عبیداللہ کو دوران عیادت میں قتل کرنے پر ہموار کر لیا۔ عبیداللہ آیا اور شریک کی مزاج پرسی کرتا رہا لیکن مسلم نے حملہ نہیں کیا۔ تب شریک نے ایسے رمزیہ الفاظ نکالے جن سے عبیداللہ کے اردلی کو شبہ ہوا اور اس نے عبیداللہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ بخیریت محل لوٹ آیا اس کا ایک جاسوس شیعوں کے بھیس میں چھوٹا ہوا تھا، اس نے مسلم کی قیامگاہ اور ان کی جنگی تیاریوں کا مکمل پتہ چلالیا، شریک تیسرے دن مر گیا عبیداللہ کو ہانی کی غداری پر بہت غصہ آیا۔ اس نے ہانی کو بلایا اور گو ہانی نے بہانے بنائے اور بالآخر ان کو آنا ہی پڑا، عبیداللہ کی مجلس میں اس وقت شریح موجود تھے، ہانی کو مخاطب کر کے عبیداللہ نے کہا: تمہیں معلوم ہے میرے والد نے کوفہ آکر تمہارے اور حجر بن عدی کے سوا سارے سرغنہ شیعوں کو قتل کرا دیا تھا، پھر حجر کا جو حشر ہوا وہ بھی تم کو معلوم ہے، اس کے قتل کے بعد وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رواداری اور حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔ ...... اس کا تم نے مجھے یہ صلہ دیا کہ اپنے گھر میں ایک شخص کو مجھے قتل کرنے کے لئے چھپا لیا ہے" ہانی نے اس کی تردید کی۔ عبیداللہ نے اس جاسوس کو بلایا جو شیعوں کے بھیس میں ہانی کے گھر میں ہونے والی جنگی تیاریوں اور مسلم کے قیام سے واقف تھا۔ اس کو دیکھ کر ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ تاہم اس نے معذرت کی اور عبیداللہ کو یقین دلایا کہ اس نے جو کیا مجبوری کے تحت کیا پھر ان کی گفتگو نے درشتی کا پہلو اختیار کیا (جس کی تفصیل طبری میں دیکھئے) اور ہانی نے سرکشی کی باتیں کیں جن سے عبیداللہ اتنا برہم ہوا کہ اس نے ہانی کے منہ پر خوب چھڑیاں ماریں جن سے وہ لہولہان ہو گیا۔ پھر اس

کو محل کے ایک کمرہ میں مقید کر دیا گیا۔ منٹوں میں ہانی کے قبیلہ مذحج میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہانی قتل کر دیے گئے اور وہاں کے جوان بپھرے ہوئے محل کی دیوار تلے جمع ہو کر شور و غوغا مچانے لگے۔ اس موقع پر شریح سے زیادہ موزوں آدمی اس شورش کو فرو کرنے کے لئے نہیں تھا کیونکہ ان پر سب بھروسہ کرتے تھے، پولیس کے چند سپاہیوں کو ان کے ہمراہ کر کے عبیداللہ نے کہا "آپ ہانی کو دیکھئے اور پھر لوگوں کو اطمینان دلا دیجئے کہ وہ زندہ ہے۔ شریح کو دیکھ کر ہانی نے کہا: "آپ میرے قبیلے کے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ ساتھ لے جائیں ورنہ عبیداللہ مجھے قتل کر دے گا" شریح لوٹ کر عبیداللہ کے پاس گئے اور کہا وہ زندہ تو ہے لیکن اس کے زخم بہت کاری ہیں۔ عبیداللہ نے تیور بدل کر کہا: کیا آپ کو یہ بات ناپسند ہے کہ حاکم اپنی رعیت کو سزا دے، جائیے لوگوں کو مطلع کیجئے" شریح اس نازک مشن سے اس طرح عہدہ برآ ہوئے کہ ایک لفظ جھوٹا ان کی زبان سے نہ نکلا۔ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ یہ بیہودہ خوف و ہراس کیسا، ہانی زندہ ہیں، حاکم نے ان کو مار کی سزا دی ہے جس سے وہ مرے نہیں ہیں لہذا آپ لوگ لوٹ جائیے اور اپنی شوریدسری سے خود کو اور اپنے سردار کو خطرہ میں نہ ڈالیے[1] لوگ شریح کا یہ اعلان سن کر لوٹ گئے۔

۶۴ھ میں یزید بن معاویہ کا جب انتقال ہوا تو عبیداللہ بن زیاد کوفہ اور بصرہ کا گورنر تھا اس وقت اس کا قیام بصرہ میں تھا وہاں کے لوگوں نے نئے خلیفہ کے گورنر کے تقرر تک اس کو حاکم تسلیم کر کے اس کی بیعت کر لی تھی جس کو انھوں نے بہت جلد توڑا اور عبیداللہ کی اتنی مخالفت بڑھی کہ اس کو بصرہ سے بھاگنا پڑا۔ اہل بصرہ کی بیعت کے بعد اس نے ایک وفد کوفہ بھیجا اور وہاں کے لوگوں کو بھی نئے خلیفہ کے نمائندے تک اپنی بیعت کی طرف مائل کیا لیکن وہ نہ صرف یہ کہ تیار نہیں ہوئے بلکہ اس کے جانشین گورنر کو بھی نکال دیا۔ شام میں یزید کا لڑکا معاویہ خلیفہ ہوا، مکہ میں پہلے ہی ابن زبیر اپنی خلافت کا اعلان کر چکے تھے۔

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۰۴

لیکن بصرہ اور کوفہ کے لئے ان دونوں میں سے کسی کے گورنر مقرر نہیں ہوتے تھے اس لئے یہاں کا امن وامان سخت خطرہ میں تھا۔ مرکزِ خلافت کے نمائندہ کے تقرر تک کوفہ کے اربابِ رائے نے عارضی طور پر عامر بن مسعود کو نمازِ جماعت کا امام تسلیم کر لیا تھا[1]۔ اس حالت میں جب کہ شہر سے باقاعدہ حکومت اٹھ چکی تھی اور سیاسی مطلع ابر آلود تھا شریح منصبِ قضا سے دست بردار ہو گئے اور تقریباً دو سال تک رہے یعنی ۶۴ھ سے ۶۵ھ تک۔

۶۶ھ میں وہ پھر قضائے کوفہ کے افق پر ذرا دیر کے لئے ابھرتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مختار بن ابی عُبید اہل بیت کے نمائندہ اور مظلوموں کے مددگار کی حیثیت سے ابن زبیر کے گورنر کو نکال کر کوفہ پر قابض ہوا اور خاص وعام کو خوش کر کے ایک مرکزی حکومت قائم کی اول اول وہ صبح شام خود مجلسِ قضا میں بیٹھ کر فیصلے کرتا لیکن حکومت کی بڑھتی ہوئی مصروفیتوں نے جلد ہی اس کو اس کام کے چھوڑنے پر مجبور کیا اور منصبِ قضا شریح کے سپرد کر دیا گیا، شریح نے شاید بادلِ ناخواستہ اس کو قبول کیا کیونکہ ماحول حزبیت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، شیعیت پہلی بار فتح پا کر آپے سے باہر تھی کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ان پر اعتراض ہونے لگا کہ وہ (۱) عثمانی ہیں۔

(۲) انھوں نے حُجر بن عدی کے خلاف شہادت دی تھی (۵۳ھ میں جب حُجر نے کوفہ میں بغاوت کر کے حکومت الٹنا چاہی تھی۔

(۳) انھوں نے ھانی بن عُروہ کا پیغام نہیں پہنچایا تھا،

(۴) ان کو حضرت علیؓ نے معزول کر دیا تھا (یہ اشارہ ہے ان کی چالیس دن تک بانقیا میں جلاوطنی کی طرف) شریح نے اپنی روح اور جسم کی سلامتی کنارہ کشی میں دیکھی اور گھر بیٹھ رہے مختار نے ان کی جگہ ابن مسعود کے پوتے عبداللہ کو قاضی مقرر کیا[2]۔

اس کنارہ کشی کا خاتمہ حسب تصریح طبری ۶۶ھ میں ہوا غالباً دو سال بعد ان کو

---

[1] طبری ۴/۳۲ [2] طبری ۳/۶۱۵

سالوں میں اٹھارہ ماہ مختار کے دورِ اقبال اور شاید چھ ماہ کے لگ بھگ مصعب بن زبیر کی ولایتِ عراق (بصرہ وکوفہ) کے شامل ہیں۔ مصعب نے اپنے بھائی ابن زبیر کی طرف سے مختار کو شکست دے کر رمضان ۶۷ھ میں کوفہ پر قبضہ کیا تھا۔ ۶۸ھ سے ۶۹ھ تک جب انھوں نے استعفیٰ دیا ایسا معلوم ہوتا ہے وہ مسلسل قاضی رہے۔ طبری نے شریح کی کنارہ کشی جن سالوں میں پیش کی ہے (یہاں یہ واضح رہے کہ طبری بس اتنا ہی بتاتے ہیں کہ کس سال کون کوفہ کا قاضی تھا) یعنی ۶۴ھ سے ۶۵ھ تک پہلی بار اور کچھ عرصہ قاضی رہنے کے بعد (مختار کے زمانہ میں) ۶۶ھ سے ۶۸ھ کے چند ماہ تک دوسری بار، ان کا موٹا حساب لگانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چار سال کے قریب معطل رہے۔ پیشِ نظر کتابوں میں ان کے تعطل کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ تین سال تک معطل رہے، یہ روایت طبری کی تاریخوں سے جو موٹا حساب بنتا ہے اس کے قریب تر ہے۔ کتاب المعارف، وفیات الاعیان، شرح نہج البلاغۃ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ نو برس تک معطل رہے، یہ روایت طبقات ابن سعد ۶/۹۴ کے ایک راوی نے پیش کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "دورانِ فتنہ میں شریح ۹ سال تک بیکار رہے، نہ کسی کو خبر سناتے نہ کسی سے سنتے" فتنہ سے مراد ابن زبیر اور اُموی سرداروں کی خلافت کے لئے باہمی پیکار کا زمانہ ہے (۶۴ھ سے ۷۳ھ تک) اس رائے کو تقویت متعدد تاریخی اشاروں سے ملتی ہے لیکن جب تک قطعی شہادت فراہم نہ ہو اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

زمانۂ تعطل سے زیادہ مختلف فیہ مسئلہ ان کی مدتِ قضا، بقا اور سنِ وفات کا ہے مصنف استیعاب اور شرح نہج البلاغۃ کی رائے میں وہ ساٹھ سال تک قاضی رہے مصنف معارف اور وفیات کی رائے میں پچھتر سال تک۔ طبری کی تاریخوں سے مدد لے کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ پہلی رائے کے حق میں ہے۔

ان کی عمر کے بارے میں یہ رائیں دی گئی ہیں: ۱۰۰، ۱۲۰، ۱۱۰ سال بسند رُواۃ اغانی ۱۶/۳۵

۱۶۸ سال بسند شرح نہج البلاغہ، ۱۰۸ سال بسند راوی ابن سعد ۶/۹۴، ۱۲۱ سال بسند راوی اصابہ ۲/۱۴۶، ۱۰۰ سال بسند استیعاب حاشیہ اصابہ ۲/۱۴۹، ۱۲۰ سال بسند کتاب المعارف و تاریخ ابن الاثیر

ان کے سنِ وفات کا مسئلہ عمر سے بھی زیادہ الجھا ہوا ہے۔ ذیل کے سن پیش کئے گئے ہیں: ۸۰ھ یا ۷۹ھ بقول شعبی مطابق روایت اغانی ۱۶/۳۵، یہی شعبی ابن سعد کی روایت کے بموجب ۹۰ھ یا ۸۷ھ سنِ وفات بتاتے ہیں، ۸۰ھ بسند اصابہ ۲/۱۴۸، ۷۶ھ اغانی وطبقات بسند روایت آخر، ۸۰ھ اصابہ بسند راوی خلیفہ ۲/۱۴۶، ۸۲ھ اصابہ بروایت ابن مدینی، ۹۶ھ یا ۹۷ھ تاریخ ابن الاثیر ۵/۸۔

ان تفصیلات کے بعد اب ان کے وہ حالات و واقعات پیش کئے جائیں گے جو کسی گورنر یا خلیفہ کے عہد میں مقید نہیں بلکہ سارے دورِ قضا پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن سے ان کی سیرت بحیثیت قاضی ان کے انصاف کے طریقوں اور انفرادی سیرت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

سیرت بحیثیت قاضی اور انصاف کے طریقے

وہ بارش کے دن مجلس قضا کی بجائے گھر پر مقدمے سنتے تھے، اگر بھوک لگتی یا غصہ آتا تو مجلس چھوڑ دیتے تھے۔

جب گھر سے عدالت کو جاتے تو یہ الفاظ کہتے جاتے: "جس نے حق مارا ہے اس کو حق لوٹانا ہوگا، ظالم سزا کا اور مظلوم کامیابی کا منتظر ہے۔"

وہ گواہوں کی شہادت پر ہی اکتفا نہ کرتے بلکہ مدعی سے حلف بھی لیتے تھے۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ شہادتیں آسانی سے فراہم ہو جاتیں اور وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی، پر کم عمل ہوتا تھا۔ ظن و شک کی شہادت دینے والے سے کہتے تھے: "خدا کے بندے مشکوک و مظنون باتوں کو چھوڑ کر یقینی باتوں کا اتباع کرو خدا کی قسم اللہ کی رضاجوئی کی خاطر مشکوک و مظنون باتیں چھوڑنے سے کبھی تم کو نقصان نہیں پہنچے گا۔"

ان لوگوں کی شہادت قبول نہ کرتے: دشمن یا حریف مدعی، شریک مدعی، مشتبہ شخص

قرض دار مدعی، غلام یا ملازم مدعی،

ایک شخص نے کسی معاملہ میں ان سے فتوےٰ دینے کو کہا بولے: "میں فتویٰ نہیں دیتا، انصاف کرتا ہوں"! اسی طرح وہ گواہی کبھی نہ دیتے تھے، شعبی نے جو بشر بن مروان کی ولایتِ کوفہ میں عدالتِ مظالم کے انچارج تھے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: "میں قاضی کے ساتھ شاہد بننا مناسب نہیں سمجھتا"؛

وہ اُن لوگوں کو مجلسِ قضا سے نکلوا دیتے جو مدعی و مدعی علیہ کے ساتھ تماشا دیکھنے آتے اور شور و شغب سے عدالت کے کام میں رخنہ ڈالتے؟

جب گواہوں کی عدالت پر ان کو شبہ ہوتا تو کہتے: "میں نے تم کو نہیں بلایا اور اگر تم چلے جاؤ گے تو میں تم کو نہیں روکوں گا، اس شخص (مدعی علیہ) کے خلاف فیصلہ مستلزم گناہ ہے، میں نہیں چاہتا کہ خدا کا عذاب تم پر نازل ہو سو اس کے عذاب سے بچتے رہو"! اگر اب بھی وہ گواہی دینے پر مُصر رہتے تو اس شخص سے جس کے حق میں فیصلہ کرتے کہتے: گو کہ میں تمہارے حق میں فیصلہ کرتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ تم ظالم ہو، میں اپنے خیال کے بموجب فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے گواہوں کی گواہی کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے مگر اتنا واضح رہے کہ میرا فیصلہ تمہارے لئے اس چیز کو جائز نہیں کر سکتا (یعنی حق تلفی و ظلم) جو خدا نے تمہارے لئے حرام کر دی ہے، جاؤ میری یہ بات گرہ میں باندھے رکھنا"!

وہ پہلے قاضی تھے جنہوں نے گواہوں سے خفیہ طور پر ان کی صداقت کی تحقیق کے لئے سوالات کئے کسی نے بطور اعتراض کہا: ابو اُمیّہ (ان کی کنیت) یہ نئی بات کیوں؟ جواب دیا: لوگ نئی باتیں کرنے لگے (یعنی راستباز نہیں رہے) اس لئے میں بھی یہ نئی بات کرتا ہوں"!

ایک شخص نے ان کے رشتہ دار کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی: انھوں نے اس کے (رشتہ دار) خلاف فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ مجلس کے ستون سے باندھ دیا جائے

جب وہ مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو وہ رشتہ دار رہائی کے لئے ان سے منت سماجت کرنے لگا۔ وہ بالکل متاثر نہ ہوئے اور یہ کہہ کر چلے گئے، میں نے تم کو سزا نہیں دی انصاف نے دی ہے،

ان کے لڑکے ایک دن کہنے لگے: "میرا کچھ لوگوں سے مالی جھگڑا ہو گیا ہے، قضیہ یہ ہے اس پر غور کیجئے، اگر فیصلہ میرے حق میں ہو تو میں مقدمہ دائر کروں ورنہ نہیں"۔ شریح سن کر بولے "مقدمہ دائر کر دو" جب مقدمہ دائر ہوا تو انھوں نے اپنے لڑکے کے خلاف فیصلہ کیا، وہ بہت حیران ہوا اور گھر آکر کہنے لگا: "خدا کی قسم اگر میں پہلے سے آپ کو مطلع نہ کر چکا ہوتا تو ہرگز آپ کو ملامت نہ کرتا یعنی یہ جانتے ہوئے کہ فیصلہ میرے خلاف ہے آپ نے مقدمہ دائر کرنے کا مشورہ کیوں دیا، آپ نے مجھے رسوا کر دیا"۔ شریح نے ٹھنڈے دل سے کہا پیارے بیٹے تم مجھے سارے جہان سے زیادہ عزیز ہو لیکن خدا کی رضاجوئی مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جب قضیہ تم نے پیش کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے بتا دیا کہ فیصلہ تمہارے خلاف ہے تو شاید تم فریق ثانی سے ان کا کچھ حق دبا کر مصالحت کر لو۔

ان کے ایک صاحبزادے کسی مجرم کے کفیل ہوئے اور اپنی ضمانت پر اس کو قید سے چھڑا لیا چھوٹ کر وہ ایسا بھاگا کہ پھر ہاتھ نہ آیا، شریح نے صاحبزادے کو قید کر دیا اور صبح شام اس کے لئے گھر سے کھانا بھیجتے،

ان کی عدالت کے ایک اردلی نے کسی کے کوڑے مارے، ان کو جب اس زیادتی کا علم ہوا تو انھوں نے پٹنے والے سے اتنے ہی کوڑے اردلی کے لگوائے جتنے اس نے مارے تھے۔[1]

ظرافت کے نمونے ایک شخص[2] ان کی عدالت میں آکر کہنے لگا: "میرا مقدمہ سنئے" بولے: "کہو میں سنتا ہوں"۔ نووارد: "میں شام کا باشندہ ہوں"۔ شریح: "بہت دور افتادہ ملک ہے

[1] مذکورہ بالا تمام تفصیلات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں [2] عیون الاخبار (ج ۱ ص ۲۳) کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ یہ شخص عدی بن ارطاۃ تھا۔

نووارد: "میں نے آپ کے شہر میں شادی کرلی ہے" شریح: "خدا کرے تم اتفاق سے رہو اور بیٹے ہوں" نووارد: "میں بیوی کو شام لے جانا چاہتا ہوں" شریح: "مرد کو اس کا حق ہے۔" نووارد: "شادی اس شرط پر ہوئی تھی کہ وہ اپنے وطن سے باہر نہ جائے گی۔ شریح: "شرط پورا کرنا لازم ہے" نووارد: "آپ ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے" شریح: "میں کرچکا" نووارد: "کس کے خلاف"؟ شریح: "تمہاری ماں کے بیٹے کے خلاف" نووارد: "کس کی شہادت پر" شریح: "تمہاری خالہ کی بہن کے لڑکے کی شہادت پر"[1]

ایک عورت آئی اور رو رو کر اپنے مظالم کی فریاد کرنے لگی۔ اس کی آہ وزاری سے شریح بالکل متاثر نہیں ہوئے ایک شخص نے ان کی اس بے اعتنائی پر حیرت سے کہا: "قاضی صاحب آپ کو اس عورت کی آہ وزاری کا کچھ خیال نہیں ہوتا" بولے: وَجَاءُوا إِخْوَةُ يُوسُفَ إِلَىٰ أَبِيهِمْ عِشَاءً يَبْكُونَ، (یوسف کے بھائی شام کو باپ کے پاس روتے آئے تھے)[2]

ایک شخص نے درخواست کی کہ عبیداللہ بن زیاد (گورنر کوفہ و بصرہ) سے کسی معاملہ میں سفارش کردیں۔ کہنے لگے عبیداللہ کے سامنے کس کی چلتی ہے؟" اتنے میں ایک چڑیا اڑی اس کو دیکھ کر بولے: "عبیداللہ کے سامنے اس چڑیا کی مجھ سے زیادہ چل سکتی ہے"[3]

ان کا عدالتی لباس کڑھے ہوئے پائلین (خز) کا گاؤن تھا (مطرف) کبھی کبھی غالباً سردی کے موسم میں برنس (چادر) بھی استعمال کرتے تھے، طبقات کی متعدد روایتیں شاہد ہیں کہ ان کا عدالتی لباس مطرف تھا۔[4]

ان کی مہر کے بارے میں اختلاف ہے ایک رائے یہ ہے کہ اس پر دو شیر کھدے تھے جن کے وسط میں ایک درخت تھا۔[5] دوسری رائے یہ ہے کہ اس پر لکھا تھا: انگوٹھی گمان سے بہتر ہے[6] تیسری رائے یہ ہے کہ اس پر شریح بن حارث یعنی ان کا نام کندہ تھا[7]

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲ [2] شرح نہج البلاغۃ [3] طبقات ج ۶ / ۱۹۶ [4] طبقات ج ۶ / ۹۷ [5] عیون الاخبار ج ۱ / ۴۳ [6] اغانی ج ۱۶ / ۳۵

سیرت | مذکورہ بالا تفصیلات سے ان کی زندگی کے عام رجحان کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے یہاں وہ حقائق بیان ہوں گے جو ان کی پرائیویٹ زندگی کے بارے میں دریافت ہوئے ہیں اور جن کو نظر میں لا کر ان کی سیرت کا تصور اور زیادہ نکھر جاتا ہے؟

سب سے پہلے ان کی ایک شادی کا ذکر سننے کے لائق ہے خود ان کی زبان سے اس کی تفصیلات پڑھ کر ان کی سیرت کے علاوہ اس زمانہ کی بعض رسموں کی بھی نقاب کشائی ہوتی ہے، شعبی (متوفی ۱۰۳ھ) کہتے ہیں مجھ سے شریح نے کہا کہ اگر تم کو شادی کرنا ہو تو قبیلہ تمیم کی عورتوں سے کرنا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے: "ایک دن دوپہر کے وقت جنازہ دفن کر کے لوٹ رہا تھا کہ میرا گذر قبیلہ تمیم کے محلہ سے ہوا۔ ایک گھر کی ڈیوڑھی میں میں نے ایک عورت کو گدے پر بیٹھا دیکھا اور اس کے سامنے دوسرے گدے پر ایک بالغ لڑکی بیٹھی تھی جس کی پیٹھ پر بال لٹک رہے تھے، میں وہاں گیا اور پینے کو کچھ مانگا عورت نے پوچھا "تم کیا چیز پسند کرو گے نبیذ، دودھ یا پانی؟ میں نے کہا جو تم آسانی سے دے سکو۔ عورت نے آواز دی ان کو دودھ پلاؤ مجھے یہ پردیسی معلوم ہوتے ہیں" جب میں دودھ پی چکا تو میں نے لڑکی کی طرف دیکھا وہ مجھے پسند آئی میں نے عورت سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اس کی لڑکی ہے اور قبیلہ تمیم سے اس کا تعلق ہے دریافت کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ کنواری ہے، میں نے کہا کیا اس کی شادی مجھ سے کر دوگی؟ بولی: ہاں اگر تم کفو ہوئے، اس کا ایک چچا ہے اس سے ملو، میں گھر آیا اور شہر (کوفہ) کے معزز قراء دوستوں کو بلا بھیجا۔ مسروق بن اجدع (متوفی ۶۳ھ) سلیمان بن صُرد (متوفی ۶۵ھ) خالد بن عُرفطہ (متوفی ۶۰ھ) عُروہ بن مغیرہ ( ) ابو بُردہ اشعری (متوفی ۱۰۳ھ) ان سب کو لے کر نماز عصر پڑھنے گیا۔ لڑکی کا چچا مسجد میں بیٹھا تھا اس نے پوچھا ابوامیہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے آپ کی بھتیجی کنواری ہے بولا حاضر ہے آپ کو چھوڑ کر اور کسی کو تھوڑی دی جا سکتی ہے، آپ اس کے لئے بے بہا

موقع ہی پر اس شیخ نے مسجد میں میری شادی زینب (لڑکی کا نام) سے کر دی۔ میرے ساتھیوں نے دعاء برکت مانگی اور ہم لوگ چلے آئے، گھر پہنچتے پہنچتے مجھے ندامت نے گھیرا میرے دل میں برابر یہ خیال آرہا تھا کہ میں نے ایسی قوم میں شادی کی ہے جو عربوں میں سب سے زیادہ اکھڑ اور بدتمیز لوگ ہیں جی چاہا کہ طلاق دے دوں پھر میں نے سوچا کہ اس کو آنے دوں، اگر ٹھیک ہوئی تو خیر ورنہ طلاق دے دوں گا۔

کچھ دن بعد دلہن کے گھر کی عورتیں اس کو رخصت کرنے آئیں، جب گھر میں بٹھائی گئی تو میں نے اس کی پیشانی پکڑ کر برکت کی دعا مانگی پھر جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے کہا: "مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد پہلی بار جب بیوی خاوند سے ملے تو دونوں دو دو رکعت نماز پڑھیں اور خدا سے رات کے لئے خیر کی دعا مانگیں" یہ کہہ کر میں اٹھا اور نماز پڑھنے لگا: میں نے دیکھا کہ وہ بھی میرے پیچھے نماز میں مشغول ہے، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ لیٹ چکی تھی میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ بولی ٹھہریئے میں ایک عرب عورت ہوں اور آپ میرے لئے اجنبی ہیں میں آپ کے مزاج اور اخلاق سے ناواقف ہوں، اس لئے آپ بتائیے کون سی باتیں آپ کو پسند ہیں اور کون سی ناپسند تاکہ میں ان سے باز رہوں" میں نے کہا: "تم بہت اچھی جگہ آئی ہو تم ایسے گھر آئی ہو جہاں تمہارا خاوند مردوں کا سردار ہے اور تم عورتوں کی، مجھے یہ یہ باتیں پسند ہیں اور یہ یہ ناپسند" بولی: "آپ کو سسرال والوں کا یہاں آنا جانا پسند ہوگا یا نہیں؟" میں نے کہا: "میں قاضی ہوں اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کے پیش نظر ان کا زیادہ آنا جانا پسند نہیں کروں گا" اس گفتگو کے بعد میں نے نہایت اچھی رات گذاری اور تین دن کے بعد مجلس قضا گیا ہماری ازدواجی زندگی کا ہر نیا دن گذرے ہوئے سے بہتر ہوتا۔

سال ختم ہونے پر جب ایک دن میں گھر آیا تو ایک بڑھیا کو گھر میں نصیحت کرتے دیکھا۔ زینب سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ اس کی ماں ہے، میں نے سلام کیا اس نے مزاج پرسی

کی اور زینب کی بابت پوچھا۔ میں نے اس کی تعریف کی تو وہ بولی: "عورت کا اخلاق دو حالتوں
میں بہت زیادہ بگڑ جاتا ہے: ایک جب وہ اپنے خاوند کی چہیتی ہو اور دوسرے جب
اس کے لڑکا پیدا ہو۔ اس لئے اگر آپ کو اس کی طرف سے شبہ پیدا ہو تو کوڑے سے خبر
لیجئے گا، کیونکہ مرد کے گھر میں بیہودہ اور گستاخ عورت سے بڑی مصیبت کچھ نہیں ہو سکتی۔
میں نے کہا میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کی خوبیوں نے مجھے مار کی مشقت
سے بچا لیا ہے وہ نہایت باتمیز اور باادب عورت ہے۔" لڑکی کی ماں ہر سال ہمارے گھر آتی
اور ان باتوں کا اعادہ کر کے چلی جاتی۔

زینب پر مجھے صرف ایک بار غصہ آیا اور اس میں زیادتی میری ہی تھی۔ میں اپنے کنبہ
والوں کا امام تھا۔ میں نے اقامت نماز (فجر) کی آواز سنی، سنتیں ختم کی ہی تھیں کہ ایک
بچھو دیکھا اتنا وقت نہ تھا کہ اس کو مارتا (کیونکہ نماز تیار تھی) میں نے ایک برتن سے اس کو ڈھک
دیا، دروازہ پر پہنچ کر میں نے زینب کو تاکید کی کہ میری واپسی تک برتن کو چھوئے چھیڑے
نہیں لیکن اس کو بچھو مارنے کی جلدی تھی اس نے برتن کو چھیڑا اور بچھو نے اس کے
ڈنک مار دیا میں نے آکر دیکھا تو وہ بری طرح تڑپ رہی تھی، پھر کچھ نہ پوچھو شعبی مجھے کتنا
غصہ آیا اسی عالم میں اس کی انگلی پر نمک کا پانی گھستا، معوذتین اور سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر
دم کرتا۔ میرا ایک پڑوسی تھا جو ہمیشہ اپنی بیوی کو مارتا تھا، میں نہیں بتا سکتا مجھے یہ دیکھ کر
کتنا دکھ ہوتا، اس مناسبت سے میں نے یہ شعر کہے ہیں: ترجمہ

میں دیکھتا ہوں کہ بعض مرد اپنی بیویوں کو مارتے ہیں۔ میرا سیدھا ہاتھ شل ہو جائے
جب میں زینب کو ماروں۔
کیا میں اس کو بے قصور ماروں۔ بے گناہ کو مارنا میرے لئے انصاف نہیں ہو سکتا[1]

وہ زیادہ تر باوضو رہتے تھے، اس کی تصدیق ابن سیرین کے اس قول سے ہوتی

---
[1] اغانی ۱۶ / ۴۶-۴۷

ہے کہ شریح ایک وضو سے سب نمازیں پڑھتے تھے"۔[۱]

مرنے سے پہلے انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی موت کی کسی کو خبر نہ کی جائے، کوئی نوحہ خواں عورت روتی پیٹتی ان کے جنازہ کے ساتھ نہ چلے، نہ ان کی قبر پر چادر چڑھائی جائے، نیز یہ کہ ان کا جنازہ جلد قبرستان لے جاکر قبر میں دبا دیا جائے[۲]

ابن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک بار شریح نے درہم گرا پایا تو اٹھایا نہیں اور چلے گئے[۳]

وہ ہر موقع پر سلام میں خود سبقت کرتے تھے ان کے ایک ہم عصر نے کہا: "مجھے شریح کو ان سے پہلے سلام کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا، سڑک پر ان کے سامنے آتا ہوتا تو دل میں کہتا اب میں سلام میں سبقت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر ذرا غافل ہو جاتے اور جب میرے قریب آتے تو سر اٹھا کر کہتے: السلام علیکم[۴]"

شعبی کہتے ہیں کہ شریح جب کبھی کسی سے ملتے تو پہلے خود سلام کرتے[۵]

ان کے گھر کے سب پرنالے ان کے گھر میں گرتے تھے، ان کی خدا ترسی کا اقتضا تھا کہ ان کے پڑوسی کو ان کی ذات سے نہ کوئی تکلیف ہو نہ شکایت، بالتو بلی اگر مرجاتی تو اس کو بھی گھر میں دفن کرتے تھے[۶]

فقیہ و محدث سب اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ثقہ تھے یعنی جو بات کہتے صداقت کے ساتھ کہتے جو کرتے راستبازی کے ساتھ کرتے جب کہ پہلی صدی ہجری کے بہت سے مفتی و دینی لیڈر مثلاً شعبی، زہری اور سعید بن جبیر یا خود ان کے بعض قراء دوست مثلاً سلیمان بن صرد اور عروہ بن مغیرہ نقادوں کے طعنوں سے نہ بچ سکے ان کا صاف نکل جانا ان کی سلامت روی کی بڑی شہادت ہے۔

ان کی سیرت کے ان تمام پہلوؤں کو جن پر پیش نظر تاریخ و ادب سے روشنی پڑتی ہے جب ان کی ہم عصر آشفتہ حال سیاسی، اجتماعی اور مذہبی پس منظر سے (جس کا مختصر خاکہ پیش ہو چکا ہے) ملا کر دیکھا جاتا ہے تو ان کی سلامت روی، ان کی پُر عافیت طولانی عمر ان کی ساتھ سالہ ججی کا ایک فتنہ دور دوران کے مقبول خاص و عام ہونے کا دارو مدار صرف دو باتوں پر نظر آتا ہے: خدا ترسی اور خدا ترسی

۱؎ طبقات ج ۶ ص ۔ ۲؎ طبقات ج ۶ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ۵؎ ایضاً ۶؎ ایضاً